فکر و نظر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کی تعبیرِ نو

خدا کو سمجھانے کی نئی تدبیریں

بنی اسرائیل میں ایک شخص قتل ہو گیا۔ قاتل کی تلاش شروع ہو گئی تو بات یہاں آکر رکی کہ ایک "گائے" کو ذبح کر کے اس کا ایک عضو مقتول کو لگایا جائے، قاتل کا سراغ مل جائے گا، بات سیدھی اور صاف تھی، چاہتے تو کوئی سی گائے ذبح کر کے اپنا مقصد حاصل کر سکتے تھے، لیکن اصل بات ذہنیت اور نیت کے فتور کی تھی، اس لیے "چونکہ چنانچہ" کے ایر پھیر میں رہے۔ اس سلسلے کا اگر آخری لوتھہ کھو دیتے تو پھر اس کا فیصلہ قیامت کو ہی ہوتا۔

آج ہم بھی بعینہٖ اسی سٹیج پر کھڑے ہیں، جی چاہتا نہیں کہ اسلام آئے لیکن حالات اور وقت کے تقاضے بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔

ہوئے ہیں پاؤں پہلے ہی نبرد عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

نیت کے فتور کے علاوہ مناسب اہلیت اور مطلوبہ صلاحیت سے بھی ان کی جیبیں خالی ہیں، اس لیے ان کو رونا پڑ گیا ہے کہ: اب کیا بنے؟

بوجھ وہ سر پہ گراں ہے کہ اٹھائے نہ بنے
کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے

قوم چاہتی ہے وعدوں کا تقاضا ہے اور تخلیق پاکستان کا تقاضا ہے کہ اب یہاں اسلامی نظام حیات کا نفاذ ہو، مگر رہنمایان قوم کسی اور موڈ میں ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے دلوں میں دھکے سے یہ روشنی اتاری نہیں جا سکتی، توڑ مروڑ کر اگر ان کو مجبور کر دیں گے تو وہ بھی "توڑ مروڑ" کر ہی آپ کو کچھ پیش کریں گے۔ اس لیے اب کوشش کی جا رہی ہے کہ کسی طرح قوم کو بہلایا جا سکے، لیکن سوال پیدا ہوا کہ: یہ کیسے ہو؟

جو بے دین گروہ ہے اس نے تو یہ نعرہ ایجاد کیا ہے کہ: پاکستان اس لیے نہیں بنایا

گیا تھا کہ قوم کو کوڑے مارے جائیں۔ انھوں نے یہ بات کہہ کر دو شکار کیے ہیں۔

ایک یہ کہ یہ بات سن کر عوام بدکیں گے اور یہ مطالبہ عوامی حمایت سے محروم ہو جائے گا۔

دوم یہ کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی پیوست ہو جائے گی کہ: اسلام کوئی جان آفرین نظام نہیں ہے بلکہ حیات کُشی ایک دہشت انگیزی کا نام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تاثر کے بعد اسلامی اقدار کو خوش آمدید کہنا مشکل ہی نہیں، مشکل تر کھیلا بن جائے گا۔

دوسرا وہ گروہ ہے جو اسلام کا منکر تو نہیں ہے لیکن اس کا عاشق بھی نہیں ہے۔ وہ دو غلہ ہو رہا ہے۔ اسلام، اسلام کی رٹ لگا کر اگر ان کو کرسی مل سکتی ہے تو وہ اسی کی رٹ لگانے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا۔ اگر اس سلسلے میں ان کے سامنے "بین بین" کوئی راہ آتی ہے تو وہ اس کو بھی قبول کر سکتا ہے۔ غرض یہ چڑھتے سورج کے یار ہیں، ہمارے یار نہیں ہیں۔

رسنِ زلف پئے حیلہ در آویختہ اند

جز دلِ تشنہ ازاں چاہ زنخداں مطلب

"یعنی (معشوق نے) زلف کی رسی تو صرف فریب دینے کے لیے لٹکا رکھی ہے اس لیے بس چاہِ زنخداں سے پیاسے دل کے سوا اور کسی چیز کی توقع نہ رکھیے۔"

ان میں ایک طبقہ وہ ہے جو دل سے اسلام کے نفاذ کا متمنی تو ہے لیکن اپنے فقہی اور کلامی رجحان کی وجہ سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا ہے اس لیے وہ اپنے مخصوص مکتبی سیلانات کے نفاذ کو بھی اسلام ہی سمجھ رہے ہیں۔

ایک طبقہ مقلدین کا ہے جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے مسلک کی بنیادی کتاب کو مملکت اپنے قوانین اور آئین کا ماخذ بنا لے۔ چنانچہ سننے میں آیا ہے کہ وہ اس کے لیے فتاویٰ عالمگیری کا نام لے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ ذہن ائمۂ دین کے تعامل کے خلاف ہے کہ ایک مخصوص طبقہ کے فقہی فکر و عمل کو سارے ملک پر مسلط کر دیا جائے۔ حضرت امام مالکؒ (ف ۱۷۹ھ) سے منصور نے درخواست کی تھی کہ وہ مؤطا مالک کی نقلیں اپنی مملکت کے مختلف صوبوں کو بھیج دیں تاکہ وہ اس کو اپنی مملکت کے لیے دستور العمل بنا لیں، لیکن آپ نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ ان کے سامنے احادیث وغیرہ کا جو ذخیرہ ہے، وہ ان کے لحاظ سے آزاد رہیں۔

قال مالك بن انس لما حج المنصور قال قد عزمت على ان امر بكتا بك هذه

التی وضعتها فتنسخ ثم ابعث الی مصر من امصار المسلمین منها نسخة و آمرهم ان یعملوا بما فیها و لا یتعدوه الی غیره، فقلت یا امیر المومنین لا تفعل هذا، فان الناس قد سبقت الیهم اقاویل و سمعوا احادیث و رووا روایات و اخذ کل قوم بما سبق الیهم و دانوا به فدع الناس و ما اختار اهل کل بلد منهم لانفسهم (طبقات ابن سعد)

حضرت امام مالکؒ نے دراصل ایک بنیادی اصول کی طرف رہنمائی کی ہے، وہ یہ کہ اسلامی مملکت کے نظامِ حکومت کا ماخذ صرف کتاب و سنت کو ہونا چاہیے، کسی شخصی فکر کو (خواہ وہ کتاب و سنت سے ہی ماخوذ تصور کیا جاتا ہو) اس کی اساس نہیں بنایا جا سکتا۔ کیونکہ ایک مسلم کی حیثیت سے دوسرے سب مسلم اس باب میں مساوی درجہ رکھتے ہیں، کوئی کسی کا کلمہ نہیں پڑھتا اور نہ اس پر ایمان لاتا ہے۔ صرف ایک توجیہ کی حد تک اس سے اتفاق کرنے کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ وہ اس کے ایمان کا جزو بھی ہے، یا اسے اس نے "شرع" کا ماخذ ہی تصور کر لیا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے اس ارشاد اور تعامل سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت کے لیے آئین اور قوانین کی تدوین مناسب نہیں ہے کیونکہ اس کی حیثیت وہی رہے گی جو مؤطا مالک کے سلسلے میں امام موصوف نے محسوس کی یعنی قرآن و سنت سے ماخوذ سہی تاہم وہ ایک یا چند بندوں کی آراء اور اخذ کردہ نتائج کا ہی ایک مجموعہ ہو گا۔ جس کا پوری قوم کو پابند بنانا کتاب و سنت کے پابند بنانے کے مترادف نہیں سمجھا جا سکتا۔ حالانکہ دعویٰ یہ ہے کہ ملک کا آئین اور ضابطہ قرآن و سنت ہوں۔

جیسا کہ امام مالکؒ کا ارشاد ہے اور جس پر قرون مشہود لہم بالخیر کا تعامل رہا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی کھلی کتاب ملکی عدلیہ کے ہاتھ میں پکڑا دی جائے اور ان کو اس امر کا پابند کر دیا جائے کہ سب سے پہلے کتاب اللہ کو سامنے رکھیں، اس کے بعد ان کتبِ احادیث سے استفادہ کریں جو مرفوع احادیث کا خزینہ ہیں۔ اجماعِ امت پر نگاہ رکھیں۔ اگر یہاں سے کام نہ چلے تو خلفائے راشدینؓ اور دوسرے فقہاء صحابہؓ کے آثار کو ملحوظ رکھیں۔

اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ فاضل جج جو بھی فیصلہ کریں گے تقلیداً نہیں کریں گے، علیٰ وجہ البصیرۃ کریں گے، اور براہِ راست کتاب و سنت کے مطالعہ کا ان کو جو موقع ملے گا وہ ہمیں "صاحبِ بصیرت عدلیہ"

بھی مہیا کرے گا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہ حالات موجودہ کیا کیا جائے، عموماً جج صاحبان قرآن وحدیث کا مطالعہ نہیں کر سکتے، تو ہم کہتے ہیں کہ عبوری دور کے لیے ذمہ دار علماء کو ان کے ساتھ کر دیا جائے۔ یہ کہ احادیث اور آثار صحابہ کے وہ ابواب بہ ترجمہ یکجا جمع کر کے ان کے حوالے کر دیے جائیں جو عدلیہ کے لیے ضروری ہیں۔ ترجمے انگریزی اور اردو دونوں ان کو مہیا کیے جا سکتے ہیں اور وہ ان سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

باقی رہا اختلاف کا ڈر، تو وہ صرف غیر مدونہ شکل کا لازمہ نہیں ہے، تدوین کے باوجود اختلاف کی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، ان سے گھبرانا مناسب نہیں ہے۔ جاہل کے لیے اختلاف شاید مشکل ہو لیکن جو اہل علم ہوتا ہے، ان کے فکر و نظر میں اختلاف اور تنوع ایک قدرتی امر ہے، اس سے مفر محال ہے۔ تاہم چالو کیس میں نچلی سطح کے فیصلوں میں جو اختلاف رونما ہو جاتا ہے سپریم کورٹ کے فیصلوں کو اس کا حل تصور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ آنے والی سپریم کورٹ حالیہ سپریم کورٹ کے فیصلوں کی پابند نہیں رہے گی اور نہ اسے اس کا پابند رہنا چاہیے، کیونکہ وہ قرآن وسنت کی پابند اور جوابدہ ہے۔ وہ شرعاً پچھلی سپریم کورٹ کے فیصلوں کی پابند نہیں ہے۔

آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ استثناء صرف بعد میں آنے والی سپریم کورٹ کے لیے نہیں ہے بلکہ حالیہ سپریم کورٹ کے جج کے لیے بھی اس سے اختلاف ممکن ہے۔ اسی طرح اس سے ذیلی سطح کے ادارے بھی آزاد رہ سکیں گے کہ قرآن وسنت کے مطابق وہ جو صحیح سمجھتے ہیں اسی کے مطابق فیصلے کریں، اگر صاحبِ مقدمہ اس سے مطمئن نہیں ہے تو وہ خود اگلی عدالتوں کا رخ کر سکتا ہے لیکن وہ خود اوپر کی عدالت کے فیصلے کے پابند نہیں ہونے چاہئیں۔ ہاں علم و تقویٰ کی کمی کی بنا پر اگر کچھ عرصہ کے لیے ان کو سپریم کورٹ کے فیصلوں کا پابند کر دیا جائے تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے — اس لیے قانون اور آئین کی تعبیر کے لیے جن حضرات کا انتخاب کیا جائے وہ صرف سندات کی بنیاد پر نہ کیا جایا کرے بلکہ تجربہ، تقویٰ اور طہارتِ نفس کی قدروں کو بھی ان میں ٹٹولنے کی کوشش کی جایا کرے۔ ورنہ مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہو سکیں گے — بدنام افراد پر بھی اس کے سارے دروازے بند کر دیے جائیں تاکہ اہل نظر اور صاحب دل پیدا ہوں۔

بعد میں مقلدین نے امام دار الہجرۃ کے مندرجہ بالا اصول کی پروا نہیں کی خاصکر حنفی بزرگ اس سلسلے میں وہ مناسب احتیاط ملحوظ نہیں رکھ سکے جس کا مظاہرہ امام موصوف نے کیا تھا۔

وکان اشہر اصحابہ ذکرا ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فولی قضاء القضاۃ ایام ھارون الرشید فکان سببا لظہور مذھبہ والقضاء بہ فی اقطار العراق وخراسان وما وراء النھر (حجۃ اللہ)

مقلدین کے بعد دوسرا طبقہ جو خصوصی رجحان کے زیر سایہ نفاذ شریعت کا قائل ہے وہ منکرین حدیث کا گروہ ہے، اس کے نزدیک، قرآن کے بعد حدیث کی ضرورت نہیں رہی، لہذا ملک کا دستور صرف قرآن کو ہونا چاہیے، ان کا خیال ہے کہ نظائر کی حد تک احادیث سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، ماخذ شریعت کی حیثیت سے نہیں۔ ان کے نزدیک اس کا حتمی فیصلہ "مرکز ملت" کے ہاتھ میں ہوتا ہے کہ وہ قرآنی آیات کا مفہوم متعین کرے، جب تک "مرکز ملت" مشہود نہ ہو تو پھر؟ غالباً وہ فرمائیں گے، اس وقت تک ان کی اپنی ذات گرامی جو مضمون تشخیص کرے، اسے حق تصور کیا جائے یا یہ کہ جسے جو سمجھ میں آئے، اختیار کرے، گویا کہ وہ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ملکۂ نبوت کے تحت جو سمجھے ہیں وہ تو اب محل نظر ہے لیکن جو بعد میں آنے والا ایک قاری سمجھ پاتا ہے، اسے اس پر ہی قناعت کرنا چاہیے۔ بہر حال "مرکز ملت" ان دوستوں کا "امام مہدی" ہے جس کے وہ منتظر ہیں۔

ان دوستوں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کو قرآن حکیم سے جدا کر کے قرآن مجید کو "خلقِ خدا" کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے، جسے جو سمجھ میں آئے اختیار کرے۔ قرآن پاک کے سلسلے میں یہ "انارکی" قرآن کو چیستاں ہی بنا لے گی۔ ان کا مطلوب مرکز ملت مدتوں سے غائب ہے اور ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب مشہود ہو۔ یعنی شیعوں کی طرح کسی "امام غائب" کے انتظار میں وقت پاس کر رہے ہیں ـــ جب تک وہ تشریف نہیں لاتے، آپ جو چاہیں قرآن سے معاملہ کریں، آپ آزاد ہیں۔ اس حیثیت سے قرآن فی الحال "متروک سرمایہ" تصور کیا جائے گا یا ملتِ اسلامیہ کا ہر فرد "مرکز ملت" کا فریضہ انجام دینے کا مجاز ہوگا؟ کیونکہ غالباً ان کے نزدیک دنیا میں ابھی تک ایسی کوئی مملکت نہیں ہے جو مطلوب "مرکز ملت" کی حامل ہو اور اسے بدلے ہوئے حالات کے مطابق قرآن حکیم کی زبان تصور کیا جا سکے۔

جو دیانتداری کے ساتھ چاہتے ہیں کہ یہاں شریعت اسلامیہ نافذ ہو، بدقسمتی سے ان

کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہاں "تعبیرِ نو" کی ضرورت ہے۔

تعبیرِ نو سے مراد اگر "عصری قانونی زبان" میں بیان کرنا ہے تو "چشم ما روشن دلِ ما شاد" اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ کتاب و سنت میں جو احکام آئے ہیں ان میں سے بعض کا "روئے سخن اور خطاب" اس صورتِ حال سے نہیں ہے جو درپیش ہے تو بھی "بسم اللہ!" مکرر غور فرمائیے! اگر واقعی یہی بات ہے تو پھر بھی سہی لیکن یہ یاد رہے کہ اس مرحلے پر پھر بھی آپ کو "تشریع" کی اجازت نہیں ہو گی، اس کے لیے بھی آپ کو قرآن و حدیث کے دوسرے متعلقہ نظائر کی طرف ہی رجوع کرنا ہو گا۔ اب یہ بتانا ہو گا کہ اس پیش آمدہ صورت کا حل فلاں حکم میں پایا جاتا ہے اور دونوں میں پورا پورا انطباق پایا جاتا ہے۔

اگر "تعبیرِ نو" سے ان کی غرض یہ ہے کہ دنیا کافی آگے نکل گئی ہے، حالات بہت بدل گئے ہیں، وقت اور زمانے کے نئے تقاضے پیدا ہو گئے ہیں، لہٰذا ان میں حک و اضافہ اور ترمیم ہو جانی چاہیے تو پھر بسم اللہ نہیں، اعوذ باللہ۔

اس کا حق ہما شما کو تو کیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ ذاتِ گرامی ان میں سے کوئی شوشہ بدل ڈالے یا ان میں کوئی ترمیم فرمائے۔ کیونکہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی "تشریع" کا حق تفویض نہیں ہوا بلکہ ان کی تبیین اور تشریح کا فریضہ آپؐ کو تفویض ہوا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (پ۱۴۔ نحل ع۶)

"اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو احکام لوگوں (کی ہدایت) کے لیے نازل کیے گئے ہیں آپ وہ ان کو سمجھا دیں۔"

جن امور میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے وہ بھی آپ ان کو کھول کر بتا دیں۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (پ۱۴۔ النحل ع۸)

"(اے پیغمبر!) ہم نے آپ پر کتاب اس غرض سے اتاری ہے کہ جن امور میں وہ اختلاف رکھتے ہیں آپ ان کو وہ بھی سمجھا دیں۔"

یہ ایک اصولی بات ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام "تشریع کے بجائے تشریح اور تبیین" پر مامور ہیں، جہاں تک امت کا معاملہ ہے وہ صرف آپؐ کا اتباع ہے، اس بکھیڑے میں پڑنے کی ان کو ضرورت نہیں ہے کہ ان میں سے کونسا حکم تشریحی ہے اور کونسا تشریعی" کیونکہ

آپ کے بابِ عالی سے جو بھی شے ملتی ہے، ہمارے لیے وہ سب شریعت ہے۔ کیونکہ پیغمبر خدا حق تعالیٰ کی پسند اور منظوری کے بغیر کوئی بات نہیں کرتے۔

مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى (النجم ع ۱)

"آپ اپنی خواہش نفس کی بات نہیں کرتے، یہ سب وحی (الٰہی) ہے جو ان کو کی جاتی ہے"

جب بعض اوقات وحی کے آنے میں دیر ہو جاتی تو آپؐ سے کہا جاتا کہ خود ہی کچھ انتخاب کر کے کیوں نہیں لاتے؟ تو آپؐ فرماتے: یہ میرا کام نہیں ہے۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحٰى إِلَيَّ مِن رَّبِّي۔ الاعراف ع ۲۴)

"اور جب آپ ان کے پاس کوئی آیت نہیں لاتے تو کافر آپ سے کہتے ہیں کہ آپ اپنی طرف سے خود کچھ انتخاب کر کے کیوں نہیں لائے؟ آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تو اس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے میرے رب سے ملے"

جدید تعبیرِ نو کا مطالبہ جب آپؐ سے کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: یہ بات میرے اختیار سے باہر ہے۔

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحٰى إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ۔ (پ ۱۱۔ یونس ع ۲)

"اور جب ہمارے کھلے کھلے احکام ان لوگوں کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو جن لوگوں کو (مرنے کے پیچھے) ہمارے پاس آنے کا (ذرا سا بھی) کھٹکا نہیں وہ آپ سے فرمائش کرتے ہیں کہ اس کے بجائے اور قرآن لے آؤ یا اسی میں (کچھ) رد و بدل کر دو، آپ (ان سے) فرمائیں کہ میرا تو ایسا مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں (کسی قسم کا بھی) رد و بدل کر دوں، میری طرف جو وحی آتی ہے تو بس اسی پر چلتا ہوں، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔"

غور فرمائیے! رسولِ خدا اسلام کے جن مقررہ احکام اور مضامین کے سلسلے میں کسی بھی تعبیرِ نو سے برأت فرماتے ہیں اور پھر خوفِ خدا سے لرزا ٹھتے ہیں، اس بات کو ہم نے کس بے دردی کے ساتھ اپنا ایک عام معمول بنا لیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ: وہ اس فرق کو نہیں سمجھے، مصنوعی حالات کو قدرتی حالات پر لا کر اسلام کے تابع بنانا مناسب ہے یا قرآن و حدیث کو بدل کر غیر قدرتی اور مصنوعی حالات کے

تابع بنا دینا؟ جہاں تک قدرتی تغیرات کی بات ہے، اسلام ان کا احترام کرتا ہے، اور ان انقلابات کے لیے متبادل احکام بھی خود ہی مہیا فرماتا ہے، بہر حال حالات کو اللہ تعالیٰ بندوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑتا کیونکہ جب کسی کو یہ اختیار مل جاتا ہے تو عوامی مفاد سے بے نیاز ہو کر جس طرح وہ سارے حالات کو اپنے مفاد اور کرسی کے تابع کرنے کے لیے "ترمیموں" کے انبار لگا دیتا ہے، وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہیں۔ اب یہ فارمولا طے کر کے یہ شاطر یا اسلام کے یہ نادان دوست پھر حالات پر سوار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ مسلم اس فتنے کے مضمرات کا وقت پر احساس کریں۔ اس سے بھی پہلے کہ تیر ہاتھ سے نکل جائے۔

ملک میں اس وقت ایک مختصر سی جماعت ہے جو اس امر پر مصر ہے کہ: اسلام من و عن اور پورے کا پورا اور پورا اسلفی تعبیر کے ساتھ نافذ ہونا چاہیے۔ وہ اس امر سے بھی سخت مضطرب ہے کہ دنیا "تعبیرِ نو" کا نعرہ ایجاد کر کے، خدا کو بھلانے اور نقشے دینے کی نئی طرح ڈال کر اسلام کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہتی ہے جو اہل کتاب نے صحف سماوی یا اپنے انبیاء کی زندگیوں سے کیا تھا، جس طرح طبع زاد نمائے لگا کر اس کو نوشتۂ خدا بنانے کی انھوں نے راہ ہموار کی تھی، نادان دوست چاہتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ بھی انھی راہوں پر پڑ کر ہمیشہ کے لیے اپنی منزل کھو دے۔ یہود و نصاریٰ کی تعبیرِ نو کے کئی ایک نمونے قرآن نے بیان کیے ہیں، ایک یہ کہ اپنے ہاتھ سے ترمیمیں مرتب کرتے پھر اسے "نوشتۂ خدا" بتاتے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ (پ۱-بقرہ ع۹)

اس تعبیرِ نو سے ان کی غرض یہ تھی کہ دنیا کا کوئی دھندا پورا ہو!

لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (ایضاً)

فرمایا یہ "تعبیرِ نو اور جعلی نوشتۂ خدا" ان کو خاصا مہنگا پڑے گا۔

فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ (ایضاً)

دوسرا یہ کہ: عبارات میں بھی ترمیمیں کیا کرتے تھے اور عمداً کرتے تھے" تاکہ بدلے ہوئے حالات کے مطابق آیاتِ تورات کی تعبیرِ نو کا اتمام ہو سکے۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (بقرہ ع۹)...... يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِن بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (پ۶-مائدہ ع۷)

ان کو ایک یہ روگ بھی لگ گیا تھا کہ دوسری اقوام کی باتوں سے مرعوب ہو جاتے تھے

اور ان کی سن کر اپنے ہاں بھی ترمیموں پر اتر آتے تھے۔

وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (پ ۶۔ مائدہ ع ۶)

"اور کچھ یہودی جھوٹ خوب سنتے ہیں (اور) لوگوں کی خوب سنتے ہیں جو (ابھی) آپ کے پاس نہیں آئے (احکام تورات کے) الفاظ کو ان کے ٹھکانے سے بے جگہ کہتے ہیں:"

اگر ان محرف اور ترمیم شدہ آیات اور احکام کے خلاف حکم ملتا تو اڑ جاتے ورنہ قبول کر لیتے، کیونکہ وہ بہت ہی روشن خیال بنتے تھے۔

يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا (پ ۶۔ مائدہ ع ۶)

"اور کہتے ہیں، تمھیں یہ حکم ملے تو مانو اور یہ نہ ملے تو بچو!"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آپ ان متجددین کی پرواہ نہ کریں، آپ کو جو حکم ملا ہے بعینہٖ نافذ کر دیں، اور ہوشیار رہیں کہ وہ آپ کو تھوڑا بہت ابتلا میں نہ ڈال دیں۔

وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ (پ ۶۔ مائدہ ع ۷)

"جو (کتاب) خدا نے (آپ پر) اتاری ہے اسی کے مطابق ان لوگوں میں فیصلہ کریں اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں اور ان (کے داؤ گھات) سے ڈرتے رہیں کہ جو (کتاب) خدا نے (آپ پر) اتاری (مبادا) اس کے کسی حکم سے یہ لوگ آپ کو بھٹکا دیں۔"

فرمایا اگر آپ سے یہ لوگ فیصلہ چاہتے ہیں تو آپ کسی مداہنت یا جدت کے بغیر ٹھیک ٹھیک فیصلہ سنائیں۔ اگر وہ بگڑتے ہیں تو بگڑنے دیں وہ آپ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔

فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (پ ۶۔ مائدہ ع ۶)

تو اگر وہ آپ کے حضور حاضر ہوں تو ان میں فیصلہ فرمائیں یا ان سے اعراض کریں (آپ کو اختیار ہے) اگر آپ ان سے اعراض فرمائیں گے تو بھی وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر ان میں فیصلہ فرمائیں تو انصاف سے فیصلہ فرمائیں۔

الغرض تعبیر نو بایں معنی کہ قرآن و حدیث کی سلفی تعبیر اور تشریح سے مختلف کوئی بات ہے تو ہمارے نزدیک وہ دین نبی اور قرآن کے خلاف ایک سازش ہے اور بالکل ویسی حماقت ہے، جیسی اہل کتاب نے اپنی اپنی کتابوں اور نبیوں کے سلسلہ میں اختیار کی تھی، اگرچہ